علامہ اقبال اور اجماع: ایک مطالعہ

ڈاکٹر محمد وسیم انجم

Dr. Muhammad Waseem Anjum

Chairman, Department of Urdu,

Federal Urdu University, Islamabad.

Abstract:

Consenses is the third source of Islamic law which is the mutual consent of scholars on any issue. In Quran, the word Shurah is used for consensus. During the era of Prophet (PBUH), It was not valid because Prophet (PBUH) was alive and can solve different problems. Now, according to Iqbal, this consensus of scholars lead to Ijtihad which is the use of every era and flourishes the sanctity Islam and Muslims mentality.

فقہ اسلامی کا تیسرا مآخذ اجماعِ امت ہے ۔ اجماع کے لغوی معنیٰ متفق ہونے اور اکٹھا ہونے کے ہیں۔ فقہ کی اصطلاح میں اجماع سے مراد ''کسی حکم شرعی پر ایک زمانے کے فقہا، مجتہدین کا متفق ہونا'' ہے(۱)۔اس فقہی اصطلاح میں علمائے اُمت کا قرآن وسُنت کی روشنی میں اجتہاد کر کے کسی دینی معاملے پر اتحاد کر لینے کا نام اجماع ہے گویا اجماع علماء اُمت کا ایک اجتماعی اجتہاد ہے(۲)۔

اجماع کی اصطلاحی تعریف میں اصولیین اُسی قدر مختلف ہیں جس قدر اجماع سے متعلق مسائل، اُس کے ارکان و شروط اور اُس کے احکام میں۔ عام طور پر ''ایک زمانے کے عام فقہائے مجتہدین کے کسی شرعی حکم پر اتفاق کر لینے کو اجماع کہتے ہیں''۔اس لحاظ سے اجماع کی شرطِ اوّل اتفاق عام فقہائے مجتہدین ہے۔ غیر مجتہدین کا اتفاق اجماع نہ ہوگا۔(۳) بعض اصولیین کی تعریفات میں ''مجتہدین'' کے بجائے ''امت محمدؐ'' اور ''امر شرعی'' کے بجائے ''امر من الامور'' خاص طور پر قابلِ لحاظ ہیں(۴)۔

شاہ ولی اللہ کے نزدیک مجتہدین کے اتفاق ہی کا نام اجماع ہے(۵)۔ جبکہ سرسید ہر ذی عقل مسلمان کو اس بات کا حق دیتے ہیں کہ جن مسائل میں کوئی نص صریح نہ ہو اس میں اپنی عقل و بصیرت کے مطابق فیصلہ کرے(۶)۔ علامہ اقبال ایک مکتوب بنام سیّد سلیمان ندوی میں رقم طراز ہیں:

> ''امریکا کے ایک مصنف کی کتاب میں لکھا ہے کہ ''اجماعِ اُمت نصِ قرآنی کو منسوخ کر سکتا ہے۔ یعنی یہ کہ مثلاً مدتِ شیر خوارگی کہ نصِ صریح کی رُو سے دو سال ہے، کم یا زیادہ ہو سکتی ہے......مصنف نے لکھا ہے کہ بعض احناف اور معتزلیوں کے نزدیک اجماعِ اُمت یہ اختیار رکھتا ہے۔ مگر اُس نے کوئی حوالہ نہیں دیا۔ آپ سے یہ امر دریافت طلب ہے کہ آیا مسلمانوں کے فقہی لٹریچر میں کوئی ایسا حوالہ موجود ہے؟...... ''دریافت طلب امر یہ ہے کہ کوئی حکم ایسا

بھی ہے جو صحابہؓ نے نصِ قرآنی کے خلاف نافذ کیا ہو اور وہ کون سا حکم ہے؟'' ''آیہ توریت میں حصص بھی ازلی وابدی ہیں یا قاعدہ، توریت میں اصول مضمر ہے، صرف وہی ناقابل تبدیل ہے اور حصص میں حالات کے مطابق تبدیلی ہوسکتی ہے۔''(۷)

اجماع کی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ وہ مجتہدینِ اُمت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا متفق ہونا ہے۔ایک زمانہ میں کسی خاص مسئلہ پر اس کے بج شرعی ہونے کی سند کلام مجید اور احادیث کی نصوص پر مبنیٰ ہے۔یہ نصوص جس اصول پر مبنیٰ ہیں اس کا اظہار صاف طریقہ سے جن قرآنی آیاتِ مبارکہ اور احادیثِ مبارکہ سے ہوتا ہے انھیں سرعبدالرحیم کی کتاب ''اصولِ فقہ اسلام'' میں بیان کر دیا گیا ہے(۸)۔لیکن اجماع، کتاب اللہ یا سُنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو منسوخ نہیں کرسکتا، یا اسلام کے بنیادی ڈھانچہ میں کوئی تبدیلی نہیں لاسکتا۔اصول وہی رہیں گے۔البتہ ان کی تفصیل زمانے کے تقاضوں کے مطابق طے کی جائے گی۔ یہی اجتہاد ہے(۹)۔

اجماع ہیت اجتماعیہ کا ایک فطری تقاضا ہے۔اسلام نے فقہی مسائل کے حل کے لیے اجماع کو بہت اہمیت دی ہے۔ جماعت کی پابندی پر قرآن وسنت میں متعدد ارشادات وارد ہوتے ہیں۔قرآن حکیم میں اجماع کے لیے لفظ شوریٰ استعمال ہوا ہے جس کے معنی باہمی مشورے کے ہیں۔حضور نبی کریم ﷺ کو ارشاد ہوتا ہے۔ **وَشَاوِرهُم فِی الاَمر** (اے نبیؐ: معاملات میں مسلمانوں سے مشورہ کیجئے)۔اس آیت کریمہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبرانہ بصیرت کے باوجود مشورے کا حکم دیا گیا ہے۔پھر اہلِ ایمان کا وصف بیان کیا گیا ہے کہ **وَاَمرُهُم شُوریٰ بَینَهُم** (ان کے معاملات باہمی مشورے سے طے پاتے ہیں)(۱۰)۔یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبال مسلسل اجتہاد کے قائل ہیں۔وہ قاضی شوکانی کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ اجتہاد آنخضرتؐ کی حیاتِ طیبہ میں بھی ہوتا رہا ہے۔اس سے تو یہ امر قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اجتہاد کسی دور میں بند نہیں ہوسکتا۔اس لیے اجتہاد کا دروازہ بند ہونے کا نظریہ محض افسانہ ہے(۱۱)۔علامہ اقبال لکھتے ہیں:

"The closing of the door of Ijtihad is pure-fiction"(12)

''اجتہاد کا دروازہ بند ہونا محض افسانہ ہے''۔

حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں اجماع صحابہؓ کو حجّت کا درجہ حاصل نہ تھا کیونکہ اجماع کا مقام سُنتِ رسولؐ کے بعد ہے۔تاہم آنخضورؐ امت کو اجماع کی حیثیت سمجھانے کے لیے صحابہؓ سے انتظامی معاملات میں مشورہ فرماتے تھے۔حضرت ابوہریرہؓ کا قول ہے کہ میں نے حضورؐ سے بڑھ کر کسی کو اپنے اصحاب سے مشورہ کرنے والا نہیں پایا۔حضور اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ میری امت کو گمراہی پر مجتمع نہیں کرے گا۔جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے اور جو شخص جماعت سے الگ ہوا وہ آگ میں ڈالا جائے گا۔اجماعِ امت کا نام ہی اجماع ہے(۱۳)۔پروفیسر محمد عمر الدین اپنے مضمون ''سرسید کا نیا مذہبی طرزِ فکر'' پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس میں شک نہیں کہ سرسید کے مذہبی فکر کا یہ مرکزی عقیدہ ہے کہ ''اسلام ھوالفطرۃ والفطرۃ ھی الاسلام'' آج اصولی اعتبار سے تمام مفکرین وموید ین اسلام کے نزدیک شرف قبولیت حاصل کر چکا ہے۔اقبال، مودودی بلکہ قدیم طرز پر تعلیم پائے ہوئے حضرات علماء بھی اسلام کو دینِ فطرت تسلیم کرنے میں سرسید کے ہم خیال وہمنوا ہیں۔یہی ان کے کارنامے کی

اہمیت کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔لیکن ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ سرسید نے اپنے زمانے کے شبہات اورضروریات کے لحاظ سے اس زمانے کے مسلمات اور معلومات کی روشنی میں اپنے اجتہادات پیش کیے ہیں۔ان میں سے بعض چیزیں صرف وقتی اہمیت کی حامل تھیں لیکن بعض مستقل قدر و قیمت بھی رکھتی ہیں۔ہمیں ان کے فلسفے اور تصانیف میں سے ان عناصر کو جو زندہ رہنے والے ہیں اور مستقل قدر و قیمت رکھتے ہیں لینا چاہیے اور ان کی بنیاد پر نئی ضروریات نئے مسائل اور نئی معلومات کی روشنی میں اسلامی فکر کو آگے بڑھانا چاہیے۔ اسلامی فکر کی نئی تشکیل کے سلسلے میں ہمیں پوری سنجیدگی اور ذمے داری سے سرسید کے پیش کیے ہوئے ان اصولوں پر غور کرنا ہوگا۔ان مسائل سے متعلق چاہیے کہ ہم کسی نتیجے پر پہنچیں لیکن ان کی جسارتِ فکر، ان کے خلوص نیت اور اس راہ میں ان کی اولیت سے انکار ممکن نہیں''۔(۱۴)

اس پس منظر کے بعد سرسید نے مسلمانوں کو علیحدہ قومیت کا راستہ دکھایا۔حالی نے مسلمانوں کے سامنے ان کے ماضی کو دردناک پیرائے میں پیش کیا اور اکبر نے ان کی نئی روشنی کا خاکہ اُڑایا۔لیکن علامہ اقبال کی تازہ گوئی، گرم نوائی اور اقبال پسندی نے ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی میں ایک انقلاب برپا کیا(۱۵)۔تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہؓ میں اجماع کو حجّت کا درجہ حاصل تھا۔خلفائے راشدین کے زمانہ خلافت میں باقاعدہ شوریٰ کا وجود تھا اور اہم فیصلے مشاورت سے طے ہوتے تھے۔فقہائے اُمت نے بھی اجماع کو قرآن وسنت کے بعد شرعی دلیل کے طور پر قبول کیا ہے(۱۶)۔اس ضمن میں سید ابوالاعلیٰ مودودی رقمطراز ہیں:

''یہ امر سب کے نزدیک مسلّم ہے کہ ''اجماع'' حجت ہے۔یعنی نص کی جس تعبیر پر، یا جس قیاس و اجتہاد پر، یا جس قانونِ مصلحت پر اجماعِ امت ہوگیا ہو اس کی پیروی لازم ہے۔ لیکن اختلاف جس امر میں ہے وہ اجماع کا وقوع وثبوت ہے نہ کہ بجائے خود اجماع کا حجت ہونا۔ جہاں تک خلافتِ راشدہ کے دور کا تعلق ہے، چونکہ اُس زمانے میں اسلامی نظامِ جماعت باقاعدہ قائم تھا اور شوریٰ پر نظام چل رہا تھا، اس لیے اُس وقت کے اجماعی اور جمہوری فیصلے تو معلوم اور معتبر روایات سے ثابت ہیں۔لیکن بعد کے دور میں جب نظامِ جماعت درہم برہم اور شوریٰ طریقہ ختم ہوگیا تو یہ معلوم ہونے کا کوئی ذریعہ باقی نہ رہا کہ کس چیز پر فی الحقیقت اجماع ہے اور کس چیز پر نہیں ہے۔اس بنا پر جب خلافتِ راشدہ کے دور کا اجماع تو ناقابلِ انکار مانا جاتا ہے، مگر بعد کے دور میں جب کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ فلاں مسئلے پر اجماع ہے تو محققین اس کے اس دعوے کو رد کر دیتے ہیں۔اس وجہ سے ہمارے نزدیک یہ معلوم کرنے کے لیے کہ کس بات پر اجماع ہے اور کس بات پر نہیں ہے اسلامی نظام کا قیام ضروری ہے۔''(۱۷)

نو راسخ العقیدگی کے نقطۂ نظر سے اجماع کا اصول اس دور میں ہر دور سے زیادہ اہم ہوگیا ہے۔اجماع اس دور میں تقریباً اجتماعی اجتہاد کا ہم معنی ہوگیا ہے۔اجماع کو باقاعدہ ایک ادارے کی شکل دینا، اس دور میں بے انتہا ضروری ہے۔قرآن

نے جس ''**امرھم شوریٰ بینھم**'' کی طرف اشارہ کیا ہے، اس کی عملی شکل اجماع کا ادارہ ہے۔ اجماع کے اس ادارے میں پوری اُمت کی نمائندگی ضروری ہے۔ اس پر کسی فرقے اور گروہ کی اجارہ داری کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ اس دور میں جس نئی فقہ کی ضرورت ہے، اسے انفرادی اجتہاد کے ذریعے وجود میں نہیں لایا جا سکتا۔ اس کے لیے اجتماعی اجتہاد ضروری ہے اور یہ اجتماعی اجتہاد اسی وقت ہو سکتا ہے جب اجماع کو ایک باقاعدہ ادارے کی شکل دے دی جائے۔ علامہ اقبال نے فکرِ اسلامی کی تشکیلِ جدید کے چھٹے خطبے میں ان مسائل پر نہایت تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ میرا خیال ہے اس خطبے میں نوراسخ العقیدگی کی وہ تمام نظریاتی بنیادیں ضروری تفصیل کے ساتھ موجود ہیں جن کے ذریعے اس دور میں ایک نئی فقہ تشکیل کی جا سکتی ہے۔ شعوری یا غیر شعوری طور پر علامہ اقبال کے بعد آنے والے تمام نوراسخ العقیدہ گروپ اب پورے شعور کے ساتھ ان اساسوں کی وضاحت کرے اور فکر اسلامی کی تشکیل جدید کے کام کو آگے بڑھائے۔ یہی وہ واحد گروہ ہے جسے راسخ العقیدہ علمائے کرام کی تائید حاصل ہے۔ اور یہی وہ گروہ ہے جس کی فکر کو منحرفین بھی ایک مقام دینے کے لیے مجبور ہیں۔ نیز یہی وہ گروہ ہے جسے یورپ کے دانشور بھی اس وقت کوئی حیثیت دے سکتے ہیں۔ اب نہ معذرت خواہانہ اندازِ گفتگو کی کوئی حیثیت باقی رہ گئی ہے، نہ پرانی باتوں کی تکرار سے کوئی فائدہ ہے (۱۸)۔ اقبال کے نزدیک اس کی اہمیت سب سے زیادہ ہے لیکن افسوس ہے کہ یہ صرف تصور ہی تصور رہ گیا اور کسی مسلم ملک میں مستقل شعار نہیں بنایا گیا۔ شاید اس کی وجوہات سیاسی ہوں۔ بنی عباس اور بنی اُمیہ کے خلفاء اجتہاد کو مجتہدوں کے ہاتھ سونپنا بہتر سمجھتے تھے کیونکہ ان کو اندیشہ تھا کہ مجلس آئین ساز اتنی طاقتور ہو جائے گی کہ ان کے لیے خطرہ بن جائے۔ لیکن اپنی دنیا کے حالات نے پلٹا کھایا ہے اور مغربی اقوام کا سیاسی تجربہ اب اجماع کی ضرورت اور اس کے امکانات کو پیش کرتا ہے۔ یہ مجلس مسلم مذاہب کے نمائندوں کے علاوہ عام مسلمانوں کو بھی اس کا موقع دے گی کہ وہ مباحث میں حصہ لے سکیں اور اس طرح ہمارے قانونی نظام میں نئی روح پھونکے گی۔ یہاں ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اب اجماع کے ذریعہ قرآنی احکام میں بھی تنسیخ ممکن ہے؟ یہ سوال اس لیے پیدا ہوا کہ بعض مغربی مصنفین نے غلط تاثر پیدا کر دیا ہے۔ اجماع تو ایک طرف حدیث سے بھی قرآن کی تنسیخ ممکن نہیں۔ جب یہ لفظ پہلے استعمال کیا گیا تو اس کا تعلق صحابہؓ کے اجماع کے سلسلہ میں تھا اور اس کا مطلب صرف یہ تھا کہ قرآنی قانون کے دائرے کی توضیح کی جائے نہ یہ کہ اس کی تنسیخ یا اس کی قائم مقامی۔

اب اور ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں صحابہؓ نے بالاتفاق کوئی فیصلہ دیا ہو تو کیا وہ فیصلہ آنے والے نسلوں کے لیے بھی قطعی ہوگا؟ اقبال کے نزدیک یہاں یہ جاننا ضروری ہے کہ کیا یہ فیصلہ فقہی ہے یا اس کا تعلق کسی واقعہ کے تعین سے ہے۔ اگر اس کا تعلق واقعیت سے ہے تو صحابہؓ کا فیصلہ قطعیت رکھے گا۔ لیکن اس کے فقہی ہونے کی صورت میں سوال اس کی تعبیر کا رہ جاتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ بعد کی نسلوں کے لیے صحابہؓ کا فتویٰ قطعیت نہیں رکھ سکتا۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ تعبیر میں بھی خطا ہو سکتی ہے اور اس کا کس طرح ازالہ ہوگا تو جواب یہ ہے کہ علماء مجلس کی راہنمائی کریں گے البتہ ان کی کوئی علیحدہ جماعت نہیں ہوگی (۱۹)۔ اس ضمن میں علامہ اقبال رقم طراز ہیں:

> ''خلیفہ چہارم کے بعد جب اسلام میں مطلق العنان ملوکیت نے سر اٹھایا تو یہ اس کے مفاد کے خلاف تھا کہ اجماع کو ایک مستقل تشریحی ادارے کی شکل دی جاتی۔ اموی اور عباسی خلفاء کا فائدہ اسی میں تھا کہ اجتہاد کا حق بحیثیت افراد مجتہدین ہی کے ہاتھ میں رہے، اس کی بجائے کہ اس کے لیے ایک مستقل مجلس قائم ہو جو بہت ممکن ہے انجام کار ان سے بھی زیادہ

طاقت حاصل کر لیتی۔ بہر حال یہ دیکھ کر اطمینان ہوتا ہے کہ اس وقت دنیا میں جو نئی نئی قوتیں اُبھر رہی ہیں، کچھ ان کے اور کچھ مغربی اقوام کے سیاسی تجربات کے پیش نظر مسلمانوں کے ذہن میں بھی اجماع کی قدر و قیمت اور اس کے مخفی امکانات کا شعور پیدا ہو رہا ہے۔ بلاد اسلامیہ میں جمہوری روح کا نشو ونما اور قانون ساز مجالس کا بہ تدریج قیام ایک بڑا تیز رفتار اقدام ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مذاہب اربعہ کے نمائندے جو سر دست فرداً فرداً اجتہاد کا حق رکھتے ہیں، اپنا یہ حق مجالس تشریحی کو منتقل کر دیں گے۔ یوں ہی مسلمان چونکہ متعدد فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں اس لیے ممکن بھی ہے تو اس وقت اجماع کی یہی شکل۔ مزید برآں غیر علماء بھی جو ان امور میں بڑی گہری نظر رکھتے ہیں، اس میں حصہ لے سکیں گے۔ میرے نزدیک یہی ایک طریقہ ہے جس سے کام لے کر ہم زندگی کی اس روح کو جو ہمارے نظامات فقہ میں خوابیدہ ہے از سرنو بیدار کر سکتے ہیں۔'' (۲۰)

علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ جدید زمانے میں جبکہ مواصلات کی آسانیاں ہیں، ہم قانون ساز مجالس قائم کر کے اجماع کی روح کو بحال کر سکتے ہیں، مگر ایسا کرنے سے پہلے ہمیں بہت سی احتیاطیں اور بہت سی شرطیں پوری کرنی ہوں گی تاکہ اجماع یا اس کی اکثریت، شرع کی اساسیات کے خلاف کوئی فیصلہ نہ کر سکے۔ لہٰذا یہ مسئلہ جتنا اہم ہے اتنا ہی نازک بھی ہے۔ اس میں مجالس کے اراکین کی دینی، علمی اور اخلاقی حیثیت کو بھی دیکھنا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ مشکلات بہت ہیں لیکن دیانت وتقویٰ اور بصیرت سے کام لیا جائے......تو فقہ اسلامی کے اس اہم اصول سے ہم آج بہت فائدہ اٹھا سکتے ہیں (۲۱)۔ علامہ اقبال ۱۹ نومبر کی تقریر مطبوعہ ''زمیندار، ۲۱ نومبر ۱۹۲۶ء'' میں رقم طراز ہیں:

''مسلمانوں کی زندگی کا راز اتحاد میں مضمر ہے۔ میں نے برسوں مطالعہ کیا۔ راتیں غور وفکر میں گزار دیں تاکہ وہ حقیقت معلوم کروں جس پر کار بند ہو کر عرب حضور سرور کائناتؐ کی صحبت میں تیس سال کے اندر اندر دنیا کے امام بن گئے۔ وہ حقیقت اتحاد و اتفاق میں ہے جو ہر شخص کے لبوں پر ہر وقت جاری رہتی ہے، کاش ہر مسلمان کے دل میں بیٹھ جائے۔ نسلی اور اعتقادی اختلافات میں تنگ نظری اور تعصب نے مسلمانوں کو تباہ کر دیا۔ اختلاف رائے ایک طبعی امر ہے اس لیے کہ طبائع مختلف ہوتی ہیں۔ ہر شخص کی نظر مختلف ہے، اسلوبِ فکر مختلف ہوتی ہے لیکن اس اختلاف کو اس طریقے پر رکھنا چاہیے جس طرح ہمارے آباء و اجداد نے اسے رکھا۔ اس صورت میں اختلاف درست ہے۔ جب لوگوں میں تنگ نظری آ جاتی ہے تو یہ زحمت بن جاتا ہے۔ مسلمانو! میں تمھیں کہتا ہوں کہ اگر زندہ رہنا چاہتے ہو تو متحد ہو جاؤ۔ اختلاف بھی کرو تو اپنے آباء کی طرح، تنگ نظری چھوڑ دو۔ میں کہتا ہوں کہ تنگ نظری چھوڑنے سے سب اختلافات مٹ سکتے ہیں۔'' (۲۲)

قرآن مجید، احادیث نبویؐ اور صحابہ کرامؓ کے عمل کے ذریعے آزادروی کی مناسب روک تھام ممکن ہے۔ اقبال آزادئ فکر کے قائل ہیں لیکن مادر پدر آزادی کو مہلک جانتے ہیں۔ خصوصاً اس آزادی کو جو نیتوں کے فتور یا ضابطے سے انحراف کا

نتیجہ ہو یا سرے سے اخلاقی دستور العمل ہی کی پابند نہ ہو۔ اجتہاد کرنے والے کے لیے ہر مسئلے کی پوری مذہبی حیثیت کا اساس و ادراک بھی ضروری ہے، ورنہ یہ آزادی ابلیس کی ایجاد کہلائے گی اور اس کے لیے اسلامی معاشرے میں کوئی جگہ نہیں ہے۔(۲۳)

حوالہ جات

۱۔ محمد طفیل ہاشمی، ڈاکٹر، مؤلف: فقہ اسلامی (۴۶۴، یونٹ ۱ تا ۹)، اسلام آباد: علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اشاعت پنجم، ۱۹۹۲ء، ص:۲۴

۲۔ امتیاز احمد سعید، پروفیسر، مقالات علومِ اسلامیہ، لاہور: نیو بُک پیلس، س ن، ص ۹۰۔۹۱

۳۔ ضیاء الحسن فاروقی، مشیر الحق، مرتبین: فکرِ اسلامی کی تشکیلِ جدید، لاہور: مکتبۂ رحمانیہ، اپریل ۱۹۷۸ء، ص:۱۵۰

۴۔ مظہر بقا، ڈاکٹر اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد: اشاعت اول، نومبر ۱۹۷۳ء، ص:۲۸۸

۵۔ ایضاً، ص:۲۸۹

۶۔ ضیاء الحسن فاروقی، مشیر الحق، مرتبین: فکرِ اسلامی کی تشکیلِ جدید، ص:۴۱۶

۷۔ شیخ عطا اللہ، ایم اے، مرتب: اقبال نامہ مجموعہ مکاتیب اقبال، حصہ دوم، لاہور: شیخ محمد اشرف تاجر کتب، ۱۹۵۱ء، ص:۱۷

۸۔ مسعود علی، مولوی، مترجم: اصول فقہ اسلام، از سر عبدالرحیم، لاہور: منصور بک ہاؤس، س ن، ص ۶۵۔۱۶۳

۹۔ افتخار احمد صدیقی، ڈاکٹر، فروغِ اقبال، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، اشاعت اول، ۱۹۹۶ء، ص:۴۲۷

۱۰۔ امتیاز احمد سعید، پروفیسر، مقالاتِ اسلامیہ، ص:۹۱

۱۱۔ محمد یوسف گورایہ، ڈاکٹر، اقبال اور اجتہاد، لاہور: فیروز سنز لمیٹڈ، اشاعت اول، ۱۹۸۹ء، ص:۲۱

12. Muhammad Iqbal, Allama, The Reconstruction of Religious Thought in Islam. Lahore: Sh. Muhammad Ashraf, Reprint. April 1968. P-178.

۱۳۔ امتیاز احمد سعید، پروفیسر، مقالاتِ علوم اسلامیہ، ص:۹۱

۱۴۔ ضیاء الحسن فاروقی، مشیر الحق، مرتبین: فکرِ اسلامی کی تشکیلِ جدید: ص ۴۱۶۔۱۷

۱۵۔ انعام الحق کوثر، ڈاکٹر، مرتب: اقبال شناسی اور ادبائے بلوچستان کی تخلیقات، جلد اوّل، لاہور: بزم اقبال، فروری ۱۹۹۰ء، ص ۲۸

۱۶۔ امتیاز احمد سعید، پروفیسر، مقالات اسلامیہ، ص:۹۱

۱۷۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، مؤلف: اسلامی ریاست، لاہور: اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ، اشاعتِ ششم، جون ۱۹۷۷ء، ص:۴۵۹

۱۸۔ ضیاء الحسن فاروقی، مشیر الحق، مرتبین: فکرِ اسلامی کی تشکیلِ جدید: ص:۲۷۹

۱۹۔ وحید الدین، سید، فلسفۂ اقبال خطبات کی روشنی میں، لاہور: نذیر سنز پبلشرز، ۱۹۸۹ء، ص:۱۰۶

۲۰۔ نذیر نیازی، سید، مترجم: تشکیل جدید الہیاتِ اسلامیہ، از حکیم الامت حضرت علامہ اقبالؒ، لاہور: بزم اقبال، اشاعت سوم، مئی ۱۹۸۶ء، ص ۲۶۸

۲۱۔ عبداللہ، سید، ڈاکٹر، مطالعہ اقبال کے چند نئے رُخ، لاہور: بزم اقبال، اشاعت اول، جون ۱۹۸۴ء، ص:۱۳۶

۲۲۔ محمد رفیق افضل، مرتب: گفتار اقبال، لاہور: ادارہ تحقیقات پاکستان۔ دانش گاہ پنجاب، اشاعت دوم، نومبر ۱۹۷۷ء، ص ۱۸

۲۳۔ وحید قریشی، ڈاکٹر، اقبال اور پاکستانی قومیت، لاہور: مکتبۂ عالیہ، ۱۹۷۷ء، ص:۲۲۔۲۱

☆......☆......☆